تبصرۂ کتب

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

اقبال،درمیانی دور، ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک ،مصنف:خرم علی شفیق
ناشر :اقبال اکادمی پاکستان،لاہور:۲۰۱۳ء،صفحات: ۹۴۴،قیمت:ایک ہزار روپے

خرم علی شفیق صاحب ایک نام وَر اقبال شناس ہیں جنھوں نے گذشتہ چند برسوں میں اقبالیات پر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں اقبالیات کی مختلف النوع (سوانح-تنقید-بچوں کے لیے) کتابیں شائع کی ہیں۔

اقبالیات پر ان کی سب سے پہلی کتاب ''دما دم رواں ہے ''یم زندگی''(۲۰۰۳ء)علامہ اقبال کے ۱۹۰۴ء تک کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔دوسرے اڈیشن میں اس کا نام اس طرح بدل دیا گیا:''اقبال ابتدائی دور ۱۹۰۴ء تک''۔کتاب کا دوسرا حصہ ''اقبال، تشکیلی دور،۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۴ء تک''۔کے نام سے ۲۰۰۹ء میں چھپا۔اور اب پیش نظر تیسرا حصہ ''اقبال،درمیانی دور،۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۲ء تک''۲۰۱۳ء میں سامنے آیا ہے۔

خرم صاحب بہت قابل اور ذہین شخص ہیں ۔جدت،انفرادیت اور نبوغت پر یقین رکھتے ہیں۔اقبال کے کے سوانح پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ''زندہ رود'' کے بعد اب اقبال کے سوانح کے ضمن میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا مشکل ہو گا لیکن زیر نظر کتاب سے نہ صرف سوانحِ اقبال بلکہ اقبالیات کے وسیع تر دائرے میں بھی کچھ نئی معلومات سامنے آتی ہیں۔

براہ راست اقبال کی زندگی سے متعلق،کوائف اور واقعات کے علاوہ خرم صاحب نے قارئین کو کئی طرح کی معلومات مہیا کی ہیں، مثلاً وہ بتاتے ہیں کہ جرمن ڈراما نگار لیسنگ (Lessing) کا ڈراما'' عقل مند ناتھن'' کیا ہے؟ پھر وہ آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ''یہودی لڑکی'' سے ساڑھے چار صفحے کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

ایک جگہ اقبال گھرانے کا بہت عمدہ نقشہ کھینچتے ہیں۔ لگتا ہے جیسے ایک فلم چل رہی ہے، انار کلی والے گھر کی تین منزلہ فلیٹ کے تمام کمروں کا اندرونی منظر دکھایا ہے۔ کون کیا کر رہا ہے، بیٹھا ہے یا لیٹا ہے، اقبال کو مستورات کے ساتھ لڈو کھیلتے یا چھت پر کبوتر اڑاتے دکھایا گیا ہے۔ مگر اس کے فوراً بعد اقبال یورپ پہنچ جاتے ہیں، معاً بعد سوات کے بزرگ اخوند کا ذکر ہے اور پھر ''اسرار خودی'' کے چند اشعار کی آمد، یعنی ایک موضوع پر لکھتے لکھتے وہ (ایک نمبر شمار دے کر) بالکل ہی مختلف موضوع پر چلے جاتے ہیں یا چھلانگ لگاتے ہیں (Shift ہو)۔ ایک عام قاری اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں پاتا کہ وہ اس برق رفتار ادل بدل کا ساتھ دے سکے۔ قاری اٹک اٹک کر، رک رک کر اور سوچ سوچ کر ان شمار نمبروں کے درمیان ربط تلاش کرتا ہے، کبھی کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی ناکام۔

حیات اقبال کے نو سالوں پر محیط ان کی سوانح عمری کا یہ حصہ ۵۶ کم ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس طوالت کا ایک سبب تو یہ ہے کہ خرم صاحب نے سوانح عمری میں کلامِ نظم و نثر کو فراخ دلی سے نقل کیا ہے، جیسے نظم: ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' (ص ۱۴۲-۱۵۰) یا نظم ''خضرِ راہ'' ص (۷۱۸-۷۲۶) یا ضمیموں میں نکلسن کے نام اقبال کا طویل انگریزی خط (ساڑھے چھے صفحات) یا اڈیٹر ''زمیندار'' کے نام ایک طویل خط (چھے صفحات) یا اقبال پر وحید احمد مسعود بدایونی کا مضمون (پانچ صفحات)۔ یہ سب چیزیں متداول اور دستیاب و موجود کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ جن کی، ایک عام قاری کے نقطۂ نظر سے، بظاہر ضرورت نہ تھی۔ ممکن ہے خرم علی شفیق صاحب کوئی جواز مہیا کر سکیں۔

کتاب ۹/ ابواب پر مشتمل ہے۔ خرم صاحب کی جدت پسند طبیعت نے ابواب کے جو عنوانات قائم کیے ہیں، ان میں بھی بڑی ندرت ہے: خودی کا نشیمن، ماں کا مزار، نظام الدین اولیا کی بستی، ملت کا دربار، تقدیر کی محفل، گوئٹے کی درس گاہ، آبِ حیات کا چشمہ، سمرنا، خواجہ حافظ کا مے خانہ۔

ہر باب بیسیوں اور بعض سیکڑوں ٹکڑوں (نمبر شماروں) میں منقسم ہے اور ہر ٹکڑا بالعموم ایک دوسرے سے مختلف موضوع رکھتا ہے۔ ایسا شاندار تنوع اور رنگا رنگی کتابوں میں کم ہی نظر آئے گی (البتہ یورپ سے درآمدہ بعض پودوں کے پتوں اور پھولوں اور ان کی پتیوں کے رنگوں میں اختلاف و تضاد سے قدرت کی بے مثل صناعی پر ایمان ضرور پختہ ہوتا ہے۔) ہر باب کے متن پر حواشی بھی کثیر تعداد میں لکھے گئے ہیں۔ کچھ ''حواشی'' تو دراصل ''حوالے'' ہیں، کچھ توضیحات (annotations) ہیں اور کہیں کہیں خرم صاحب نے اقبال کے لمبے لمبے اقتباسات نقل کر دیے ہیں۔ کہیں اشعار اور منظومات ہیں۔ خطوط بھی ہیں۔ متن صفحہ نمبر ۹ سے ۸۰۷ تک ہے تو حواشی ۸۵۲ سے ۹۳۸ تک۔ حواشی میں کہیں کہیں

ثانوی حوالے بھی ملتے ہیں۔ (باب ایک، حاشیہ ۹اور ۱۰)اور کہیں حوالہ درج نہیں ہے(باب ۳حوالہ ۱۲) وغیرہ۔

کچھ شبہہ نہیں کہ خرم صاحب نے بے حد وسیع مآخذ سے استفادہ کیاہے۔ان کی تحقیق و تدقیق، باریک بینی، مختلف روایات میں تطبیق اور متضادروایات میں سے صحیح یانسبتاً قرین قیاس روایت کی تلاش قابلِ داد ہے۔ ایک طرح سے یہ حوالے کی کتاب(Referance Book) ہے اور تحقیق مزید کے لیے کچھ راستوں کی نشاندہی بھی کرتی ہے مگر عام قاری کے لیے اسے پڑھناقدرے صبر آزماہے۔طویل مضامین اور کتابوں کے مطالعے کاماحول کم ہو رہاہے اور صبر واستقامت سے طویل تحریریں پڑھنے والے کم رہ گئے ہیں۔یہ کتاب اقبال کی مقبول اوراہم کتابوں میں شمار ہو گی مگر مجھے ابھی تک اقبالیات کا شائق کوئی ایسادوست نہیں مل سکا، جس نے پوری کتاب پڑھ لی ہو۔

☆☆☆

حیاتِ اقبال، عہد بہ عہد، مصنف:ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین،

ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور:۲۰۱۵ء، صفحات: جلد اوّل:۴۸۰۔ جلد دوم:۴۶۹، قیمت: اول،۵۵۰روپے، دوم،۵۵۰روپے

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین معروف محقق اور ماہر اقبالیات ہیں۔ اس سے پہلے وہ دو اقبالیاتی کتابیں(مولوی سید میر حسن۔اقبال کی ابتدائی زندگی)شائع کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب دوجلدوں میں ہے اور اس میں ۱۸۹۵ء سے ۱۹۳۸ء تک اقبال کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات وحادثات اور اقبال کی ہمہ نوع سرگرمیوں کا سال بہ سال کی ترتیب سے ذکر کیا گیاہے۔

ہر باب ایک ایک سال پر مشتمل ہے۔ سنین کے ہندسوں کو ابواب کے عنوانات بنایا گیاہے اور سنہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی عنوان بھی قائم کیاہے، مثلاً ۱۸۹۶ء:کالج کے شب وروز،۱۹۰۰ء:نالۂ یتیم شب کی تخلیق، ۱۹۱۰ء:حیدرآباد دکن کا دورہ۔بعض عنوانات غلط فہمی پیدا کرتے ہیں جیسے ۱۹۲۰ء:" بارگاہِ رسولؐ میں حاضری"۔عنوان سے لگتاہے کہ اس باب میں اقبال کی زیارتِ مدینہ کا ذکر ہو گا مگر اقبال تو کبھی مدینہ نہیں گئے تھے۔ پڑھنے سے پتا چلا اس میں کسی شخص کے خواب کا ذکر ہے جس میں اس نے خواب میں اقبال کو دیکھا کہ وہ نبی کریمؐ کے دائیں جانب کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

دوسری جلد کا زیادہ تر حصہ ۳۵۳شخصیات اور ۲۶ سیاسی اور مذہبی تنظیموں ۱۳ علمی اور ادبی تنظیموں اور ۳۹علمی اداروں اور ۸۳ اخبارات اور رسائل کے مختصر تعارف پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد

کے آخر میں چند دستاویزات کے عکس بھی شامل ہیں۔ مصنف نے دیباچے میں ''زندہ رود''(جاوید اقبال) کو ''قابلِ قدر'' اور ''مفکرِ پاکستان''(محمد حنیف شاہد) کو ''اچھی کاوش'' تسلیم کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ ان میں تشنگی ہے۔ ہمارے خیال میں کم کتابیں ایسی ہوں گی بہ شمول زیرِ نظر کتاب جنھیں پڑھ کر قاری کہ سکے کہ ''تشنگی باقی رہی'' خود مصنف کی زیرِ نظر کتاب میں بھی کچھ کمیاں موجود ہیں۔ڈاکٹر سلطان محمود حسین کا یہ دعویٰ بھی محلِ نظر ہے کہ اس کتاب میں ''ہر وہ بات بیان کی گئی ہے جو دوسری سوانحی کتب میں نہیں ملتی''۔ سلطان محمود سوال کرتے ہیں کہ بی اے اور ایم اے میں اقبال کے زیرِ مطالعہ کون کون سے مضامین رہے؟ یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ ''روز گار فقیر'' اور دیگر سوانحی کتابوں میں اقبال کے ایف اے اور بی اے اور ایم اے کے مضامین کا ذکر ملتا ہے۔ گویا کچھ باتیں دوسری کتابوں میں ملتی ہیں مگر اس کتاب میں نہیں ہیں (گویا سلطان محمود صاحب کے دعویٰ کا الٹ ہو گیا۔)

بلاشبہ مصنف نے اقبال کے سوانح پر لوازمہ جمع کرنے میں بہت محنت کی ہے اور ثانوی مآخذ کے ساتھ بنیادی مآخذ بھی استعمال کیے ہیں۔ اگر کوئی علامہ اقبال کی ایک نئی سوانح عمری لکھنا چاہے تو یہ لوازمہ اس کے لیے معاون ہو گا۔

دوسری جلد کا بڑا حصہ رجالِ اقبال (۱۳۵۲شخاص) پر مشتمل ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:''راقم نے ان تمام معروف شخصیات کے مختصر حالات مرتب کرنے کی سعی کی ہے جن سے اقبال کے تعلقات اور روابط رہے''۔ڈاکٹر سلطان محمود صاحب نے کانٹ اور ہیرٹ (جرمن فلسفی) اتاترک، آئن سٹائن، مسولینی ،لالہ لاجپت رائے، شیخ محمد عبدہٗ اور مرزا ہادی رسوا کو بھی اسی زمرے میں شامل کیا ہے جن کے ساتھ ''اقبال کے تعلقات اور روابط رہے۔''

جرمن فلسفی کانٹ اقبال کی پیدائش سے ۳۷ سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔ اتاترک سے اقبال، کبھی ملے نہیں نہ خط کتابت ہوئی۔ آئن سٹائن اگرچہ اقبال کا معاصر تھا، لیکن روابط کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ اس فہرست میں اقبال کے بڑے بیٹے آفتاب اقبال موجود ہیں مگر دوسرے بیٹے جاوید اقبال کا نام موجود نہیں ہے۔ اسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ شیخ محمد عبدہٗ ،مرزا سوا محمد ہادی، لالہ لاجپت رائے، مسولینی، جرمن فلسفی ہیرٹ سے اقبال کے روابط کیا رہے؟ شخصیات کے حالات مختصر اور سرسری ہیں اور مختلف کتابوں اور رسالوں سے جوں کے توں نقل کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے دوسری جلد کا یہ حصہ (صفحہ ۱۸۱تا۳۳۷)زیادہ کار آمد نہیں ہے۔ اخبارات ورسائل کا تعارف بھی بہت سرسری ہے اور مختلف کتابوں سے منقول ہے۔ ہمارے خیال میں کتاب کا سب سے قیمتی حصہ دستاویزات والا ہے جس

میں اقبال کے زیرِ مطالعہ بعض کتابوں کے عکس شامل کیے گئے ہیں۔ بہ حیثیتِ مجموعی سلطان محمود حسین صاحب کی یہ کاوش قابلِ قدر ہے اور اقبالیات کے ذخیرے میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

☆☆☆

اقبال دیدۂ بینائے قوم مصنف:ڈاکٹر تحسین فراقی

ناشر: یورپ اکادمی، اسلام آباد: ۲۰۱۵ء، صفحات: ۲۰۶، قیمت: ۳۵۰ روپے

یہ ڈاکٹر تحسین فراقی کی تنقیداتِ اقبال کا تیسرا مجموعہ ہے۔ بارہ مضامین پر مشتمل ان مباحث میں خاصا تنوع ہے۔ بیشتر یہ ایسے عنوانات ہیں، جن کی طرف ہمارے اقبال شناس کم ہی متوجہ ہوتے ہیں، مثلاً: اقبال کا تصورِ تہذیب۔ اقبال اور ہیگل۔ چند معروضات۔ اسلامی ادب کی ترویج میں اقبال کا کردار۔ عالمگیریت کی صورت حال اور فکرِ اقبال، البتہ دو تین موضوعات ایسے ہیں جن پر بہت سے لوگوں نے قلم اٹھایا ہے، مثلاً: اقبال اور اتحادِ عالمِ اسلامی یا اقبال پر رومی کے اثرات یا نیا نظامِ عالم اور فکرِ اقبال۔

''اقبال کا تصورِ تہذیب'' میں فراقی صاحب بتاتے ہیں کہ اقبال نے نہ صرف اپنے تصوراتِ تہذیب و ثقافت کی وضاحت کی ہے بلکہ مغربی تہذیب کے مثبت پہلوؤں کے دوش بدوش اس کی ہلاکت خیزیوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبال نے متعدد مقامات پر مسلم تہذیب کو ایک برگزیدہ، برتر اور تاریخ ساز تہذیب کے طور پر پیش کیا ہے۔ بجا طور پر ان کا خیال ہے کہ مغرب کی لادین تہذیب کے پاس بد قسمتی سے قوت ہے مگر وژن (vision) نہیں ہے۔

''اقبال اور ہیگل'' کے موضوع پر ان کی تحقیق یہ ہے کہ ہیگل کے مطالعے کا آغاز تو اقبال نے ابتدائی زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ابتدا میں وہ ہیگل کے طلسم کے بڑی شدت سے اسیر رہے مگر جوں جوں ان کی فکر ارتقا کے مراحل طے کرتی گئی۔ وہ متعدد دیگر فلسفیوں کے ساتھ ساتھ ہیگلی فکر سے بھی دور ہوتے گئے۔ فراقی صاحب نے یہاں اقبال اور ہیگل کی مماثلت کے بعض پہلوؤں کا بھی ذکر کیا ہے۔ آخر میں وہ کہتے ہیں کہ دونوں اپنے اپنے دائرے میں اہم ہیں مگر اقبال کا تصورِ حیات و کائنات ہیگل کی نسبت زیادہ زندگی افزا، حیات افروز اور ابدی قدر و قیمت کا حامل ہے۔

''ایران میں اقبال شناسی کے دس سال'' اقبالیات، ایرانی کتابوں اور اقبال شناسوں کی کارکردگی کا مختصر مگر جامع جائزہ ہے۔ انھوں نے محمد بقائی ماکان اور ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری کے تراجم کی خامیوں کی نشان دہی کی ہے۔ البتہ ان کے مطابق عین ظہیری کا ترجمہ، اسی طرح ڈاکٹر محمد یونس جعفری اور فرہاد پالیز دار کے تراجم بہت عمدہ ہیں۔ اس جائزے کے آخر میں فراقی صاحب لکھتے ہیں: ''اقبال کے

باب میں ایران میں مسلسل کام ہو رہا ہے۔ ان کی تجویز ہے کہ تہران جیسے شہر علم میں ایک وسیع و عریض اقبال مرکز قائم کیا جائے جس کے ساتھ ایک عمدہ لائبریری اپنی تمام تر سہولتوں کے ساتھ موجود ہو۔"

ڈاکٹر این اے کے خلیل نے "بانگِ درا" کا منظوم ترجمہ کیا تھا اور "کلیاتِ باقیاتِ شعر اقبال" کے نام سے ڈاکٹر صابر کلوروی مرحوم نے علامہ اقبال کا متروک کلام یکجا کیا تھا۔ یہ دونوں کام قابل قدر ہیں (لیکن کسی قابلِ قدر کام کا بھی جب تک جائزہ نہ لیا جائے، اور اس کا کھوٹا کھرا نہ پرکھا جائے، آنے والے قابلِ قدر کاموں کا معیار بہتر نہیں ہو سکتا۔) ڈاکٹر تحسین فراقی، خلیل صاحب کی انگریزی زبان پر دسترس اور ترجمہ نگاری میں قدرت رکھنے کا اعتراف کرتے ہیں مگر ساتھ ہی انھوں نے ترجمے میں مترجم کی افسوس ناک اور بکثرت غلطیوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اسی طرح انھوں نے صابر کلوروی کی محنت و کاوش کو سراہا ہے مگر یہ نشان دہی بھی کر دی ہے کہ اس کلیات میں دو ایسی تخلیقات بھی شامل ہو گئی ہیں جن کا انتساب اقبال سے قطعی غلط ہے۔ پھر یہ کہ کلوروی صاحب نے متداول کلام کے بعض ایسے اشعار بھی متروک کلام میں شامل کر لیے ہیں۔

کتاب بہت خوبصورت چھپی ہے۔ پروف کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ البتہ اردو اور انگریزی کتابوں کے ناموں کو ترچھے حروف (italics) میں نہیں لکھا گیا۔ جو املا کے معروف و مسلمہ اصول کی خلاف ورزی ہے۔

☆☆☆

پیام مشرق کی اردو شروح و تراجم کا تحقیقی جائزہ، مصنف: محمود علی انجم
ناشر: الفیصل، لاہور، ۲۰۱۵ء، صفحات: ۶۴۴، قیمت: ۶۰۰ روپے

اپنے زیر نظر ایم فل اقبالیات کے تحقیقی مقالے کے بارے میں مقالہ نگار محمود علی انجم "بڑے وثوق کے ساتھ" کہتے ہیں کہ مقالے کا عنوان "اچھوتا اور منفرد" ہے۔ ہمارے خیال میں عنوان میں انفرادیت ہے، نہ کسی طرح کا اچھوتا پن، البتہ مقالہ اس اعتبار سے ضرور منفرد ہے کہ بہت کم مقالہ نگار ہی اتنی محنت اور جاں کاہی سے کام لیتے ہیں۔ (بالفرض اگر عنوان "اچھوتا اور منفرد" ہو مگر مقالے میں لکھنے والے نے فقط گھاس کاٹی ہو تو عنوان کے اچھوتے اور منفرد ہونے کا فائدہ؟)

یہ صحیح ہے کہ موضوع (یا عنوان) خاصا جامع ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ جامع ہے۔ "پیام مشرق" کی اردو شرحوں اور ترجموں پر ۲۷ کتابیں ملتی ہیں۔ ایک ہی مقالے میں ان تمام ۲۷ کتابوں کا تحقیقی

جائزہ ایک خاصا دشوار کام تھا۔ اگر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کا شعبہء اقبالیات(جس کی ہدایت اور اہتمام سے یہ مقالہ لکھا گیا۔)ان ۲۷ کتابوں کو تین حصوں میں (منثور تراجم: دس کتابیں۔ منظوم تراجم: تیرہ کتابیں۔ شروح: چار کتابیں) تقسیم کر کے تین الگ الگ مقالے لکھوا لیتا تو امکان ہے کہ مقالے بہتر اور معیاری ہوتے۔ معیار، زیر نظر مقالے کا بھی اچھا ہے مگر عنوان بے حد جامع اور ہمہ گیر نوعیت کا ہے۔ محمود علی انجم نے مقالے کو معیاری بنانے کی اپنی سی کوشش کی ہے اور وہ اس میں خاصی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔ اگر وہ چاہتے تو موضوع کو سمیٹ سکتے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ کیوں کہ ان کا اپنا مزاج بھی جامعیت اور طوالت پسند واقع ہوا ہے۔ چنانچہ جہاں اختصار سے کام لیا جا سکتا تھا، وہاں بھی انھوں نے تفصیلاََ بات کی ہے۔ کئی حصے ضرورت سے زائد ہیں، مثلاََ: علامہ اقبال کے حالات و تصانیف کا اجمالی جائزہ(ص ۳۱،۸۹)اسی طرح ''پیام مشرق'' کے بارے میں اہل علم کی آرا، اسی طرح ''پیام مشرق'' کے شارحین اور مترجمین کا اجمالی تعارف(اگر دینا ضروری ہی تھا تو پھر دو، تین، تین صفحات کے تعارف، مثلاََ: انجم: تین صفحے۔ خالد حمید رشید: پانچ صفحے۔ الف د نسیم اور میاں عبد الرشید: دو، دو صفحے کے بجائے ان سب کے لیے نصف صفحے کا ایک ایک پیراگراف کافی تھا۔

مختلف شروح کے جائزے میں عدم توازن کا احساس ہوتا ہے، مثلاََ: یوسف سلیم چشتی کی ''شرح پیام مشرق کا فکری و فنی جائزہ'' ۲۷ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے اور خواجہ حمید یزدانی کی شرح کا جائزہ ۲۲ صفحات پر۔ بلاشبہ انجم صاحب نے شارحین کے حالاتِ زندگی کاوش اور محنت سے جمع کیے مگر یہاں اس قدر تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔ ویسے اُن کی محنت اور باریک بینی کا اندازہ ایک ہی شعر کی تشریحات اور ایک ہی شعر کے ترجموں کے باہمی تقابلی موازنے سے بھی ہوتا ہے، مثلاََ: حمید اللہ شاہ ہاشمی کی ''شروح و ترجمہ پیام مشرق'' (مشمولہ'': شرح کلیات اقبال فارسی'') سے مثالیں لے کر انجم صاحب نے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حمید اللہ شاہ نے الفاظ کے معانی، اشعار کے ترجمے اور مفہوم کی وضاحت کے لیے تشریحات سابقہ شارحین(چشتی، احمد جاوید اور الف د نسیم سے لفظ بہ لفظ یا جملوں میں معمولی ردوبدل کے ساتھ) لے کر سرقے کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر محمود علی انجم بجا طور پر لکھتے ہیں کہ اس سے حمید اللہ شاہ کی دیگر علمی و ادبی تخلیقات کی حیثیت بھی مشکوک ہو گئی ہے اور ان پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔(۲۰۱)

انجم صاحب نے صوفی غلام مصطفی تبسم کی کتاب ''صد شعر اقبال فارسی'' میں شامل متن اشعار کی فہرست اغلاط مرتب کی، پھر صوفی صاحب کے ترجموں اور تشریحات کا بھی جائزہ لیا۔ کئی جگہ ان کی

اصلاح بھی کی، اور کتابت کی غلطیوں کو بھی واضح کیا ہے۔ کہیں ختمہ رہ گیا ہے تو اس پر بھی گرفت کی ہے۔ یہاں وہ صوفی صاحب کے ترجمے کا موازنہ دیگر مترجمین سے کرتے ہیں۔ جس مترجم کے ہاں بہتر الفاظ میں ترجمہ دیا گیا ہے، اس کی نشان دہی بھی کر دیتے ہیں۔ ایک جگہ انھوں نے خواجہ حمید یزدانی پر بھی سرقے کی شق لاگو کی ہے۔(ص۲۳۱) میاں عبدالرشید کے ترجمے کی تعریف کی ہے مگر ساتھ ہی یہ اعتراض بھی کر دیا کہ اس میں حواشی و تعلیقات نہیں دیے گئے۔(ص۲۷۱) ہمارے خیال میں میاں صاحب سے مترجم کا یہ مطالبہ نامناسب ہے کیوں کہ وہ تو فقط مترجم ہیں، ترجمے کے ساتھ توضیحی عبارت اور حواشی و تعلیقات دینے کے وہ مکلف نہیں۔ اگر میاں عبدالرشید توضیح و تشریح بھی لکھتے تو وہ ''شرح''بن جاتی۔

مقالہ نگار کے ''ماحصل و نتائج'' کے مطابق یوسف سلیم چشتی کی شرح افراط و تفریط کے باوجود دوسروں سے بہتر ہے مگر وہ کہتے ہیں کے اس پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ یزدانی کی شرح جامع نہیں ہے۔ حمید اللہ ہاشمی نے سرقہ کیا ہے۔ صوفی تبسم نے بہت اچھی شرح کی ہے۔ شارحین کی درجہ بندی میں وہ صوفی تبسم کو اول، چشتی کو دوم اور یزدانی کو سوم قرار دیتے ہیں۔ منثور تراجم کے تفصیلی، تقابلی اور مجموعی جائزے میں الف د نسیم اول، احمد جاوید دوم اور محمد رمضان گوہر سوم قرار پاتے ہیں۔ خواجہ محمد زکریا کے چار منتخب نظموں کے ترجمے کی بھی وہ تعریف کرتے ہیں۔ منظوم ترجموں میں انھوں نے عبدالرحمٰن طارق، ابراہیم خیال فتح پوری،، محمد سرور رجا، حضور احمد سلیم اور فیض احمد فیض کے ترجموں کی تعریف کی ہے۔ دیگر حضرات کے تراجم ان کے نزدیک کافی کمزور ہیں۔

ایم فل سطح کا یہ مقالہ نہایت محنت اور کوشش سے لکھا گیا ہے۔ اتنی باریک بینی اور دقت نظر سے کم ہی طالب علم کام لیتے ہیں۔ اس مقالے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دے دینا بھی روا تھا۔